رجسٹرڈ نمبر اے ۶۸۳

REGISTERED No. A. 783



M. B. Khan Artist

مسان العلوم پریس لکھنؤ میں باہتمام حکیم محمد سجاد حسین مالک و اڈیٹر چھپ کر شائع ہوا

قیمت فی پرچہ ۳ ؍

مینجر کی نہایت ضروری عرض

قواعد و ضوابط

(۱) اُجرت اشتہارات اور قیمت اودھ پنچ بہرحال پیشگی لیجاتی ہے۔

(۲) شاگردان مدارس کے ساتھ بشرط تصدیق ہیڈ ماسٹر یا پرنسپل صرف سالانہ قیمت مین ایک روپیہ کی رعایت کی جائے گی یعنی للعہ سالانہ قیمت لیجائے گی یہ ضروری شرط ہے۔

(۳) قیمت اودھ پنچ کا وی پی نہین بھیجا جاتا اسوجہ سے کہ ڈاک کے علاوہ وی پی بھیجنے مین خرچ زیادہ ہوتا ہے۔

(۴) نمونہ بازون کو معلوم رہنا چاہیے کہ اودھ پنچ ایک مشہور ظریف پرچہ ہے اور دونون سے خدمت ملک کر رہا ہے نمونے کے طور پر ایک پرچہ دیکھنے سے اسکی تمام خوبیان ناظرین دریافت نہین کر سکتے۔ ہر ایک نمبر مین نئے مضامین ہوتے ہین ممکن ہے کہ جو پرچہ نمونے کا آپ کو ملے اُس مین آپ کے مذاق کے مضامین نہون اور دوسرے پرچے مین آپکے حسب خواہش مضامین ہون۔ لہذا بہتر ہے کہ آپ امتحاناً تین ماہ کے واسطے خریدار بن جائین اگر اس پرچے کے مضامین آپکے مفید مطلب یا مذاق کے موافق معلوم ہون تو چھ ہفتہ کے اندر مزید تین ماہ پیشگی بھیجکر آپ مدت خریداری کو ایک سال تک بڑھا سکتے ہین۔ ورنہ والخیر فی ماوقع السلامت۔ بندہ پرور ایک مشہور یکتا و یگانہ پرچے کا نمونہ طلب کرنا ہی فضول ہے۔

(۵) طالبان مفت اگر اپنی جیب پر قیمت کا بار نہین ڈال سکتے تو انھین لازم ہے کہ کچھ سالانہ خریدارون سے قیمت بھجوائین اور اس طرح اپنے نام ایک سال کے لیے اودھ پنچ بلا قیمت جاری کروا لین۔ دام و درم نہین تو قدمی کوشش سے فائدہ اُٹھائین۔ مذہب یا نادری یا یتیمی کا واسطہ دلانا خلاف حمیت ہے۔

(۶) یہ تو ہم کہہ نہین سکتے کہ ڈاک کے صاحب ڈاکو ہین۔ یہان سے ہم پرچہ روانہ کرتے ہین وہ راستہ مین گاؤ گھپ ہو جاتا ہے لیکن ہمیشہ ہر نمبر کے اشاعت کے عقب مین پانچ چار عتاب نامہ منیجر کے نام ضرور آتے ہین۔ ہر ایک کاپی کے ساتھ ہزارون خریدارون کے دو تحفانے یا دستخط خود نہین پہنچ سکتا اور پرچہ کو گم ہونے کی عادت ہے لیس اس عادت کا علاج یہی ہے کہ گم شدہ نمبر دوبارہ حاضر خدمت کیا جائے پرچہ کی اشاعت سے غرض یہی ہے کہ آپ حضرات ملاحظہ فرمائین نا عرض کرنا مقصود نہین ہے۔ لہذا عمداً تساہل نہین ہوتا۔

(۷) میعاد خریداری ختم ہونے سے ایک ہفتہ قبل دفتر سے اطلاعی خط روانہ ہوتا ہے اگر اسکا جواب مطلق نہ آیا تو زیادہ تنگ طلبی اور زبردستی نہین کیجاتی پرچہ بند کر دیا جاتا ہے۔ لہذا تجدید خریداری منظور ہو تو فوراً اطلاعی عریضہ کا جواب ملنا چاہیے جسکی روانگی کی رسید ڈاک خانے سے حاصل کر لی جاتی ہے۔

(۸) جن اشتہارات و اطلاعات کے تحت مین منیجر اودھ پنچ کا نام نہین ہے اُنکے متعلق جملہ خط و کتابت مشتہر کے نام ہونی چاہیے۔

(۹) جو مضامین "اودھ پنچ" کی صلح کل پالیسی کے مطابق نہونگے وہ شایع نہونگے اور انکی واپسی پر بھی ہم مجبور نہین ہین۔

(۱۰) مضامین صاف خط مین کاغذ کے ایک ہی رخ پر لکھے جائین۔ مذہبی حیثیت سے کسی شخص یا قوم کی تنقیص اُن مین نہو فقط

نوٹ

جو حضرات خریدار ہین انھین خطوط اور منی آرڈر مین نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہیے جو کہ ان کے نام کی چٹھی پر لکھا ہوا ہوتا ہے۔

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

"لطف" جیسی دوا کے استعمال کا بہترین نتیجہ ہم سنا ہے مفصل اشتہار صفحہ ۲ و ۱۱ کے درمیان کی چٹھی مین ملاحظہ ہو۔

جلد ۱۳ نمبر ۱۵
مضامین
۱۶ اپریل سنہ ۱۹۲۰ء

عطوفت نامہ منطق آرا بیگم

بجواب نصیحت نامہ لارڈ ڈارون

نمبر ۳

(تحریر ۱۰ اپریل سنہ ۱۹۲۰ء)

لاٹ صاحب! تمھارا حکم ہے کہ ریاستوں میں عوام بھی آزاد رکھے جائیں۔ خیر کبھی ایک ہی گھاٹ پانی پئیں چھوٹے بڑے سب یکساں حالت میں ہوں۔ اس حکم یا نصیحت میں ایک لفظ بہت کٹھن ہے میں تو بیچاری عورت ذات پردے کی بوبو جہاں جلالان کٹھنوں کے معنی کیا جانوں۔ میں نے اپنے نواب سے پوچھا تو کہنے لگے یہ خوب تم بڑی منطقی بنتی ہو تمھیں فارسی کا بھی علم ہے عربی کا بھی اس چھوٹی سی لغت کے معنی تمھیں نہیں معلوم بڑے تعجب کی بات ہے! اس پر میں نے کہا کہ ہاں پھر ہم منطقی تو ہیں کیسا کا اجارہ ہے؟ مگر یہ کیا ضرور ہے کہ دنیا بھر کے لفظ بھی معلوم ہوں؟

وہ۔ یہ تو بہت معمولی لفظ ہے۔ جو غلام نہ ہو وہی آزاد ہے۔

میں۔ اچھا بتاؤ تم آزاد ہو کہ غلام؟

وہ۔ خدا کے فضل اور گورنمنٹ کی عنایت سے آزاد ہوں۔

میں۔ اے نوج ذرا سچ کہنا۔ یہی منھ ہے آزاد ہونے کا! اے پھٹے سے منھ۔ آزاد کے بھی کہیں دو بیویاں ہوتی ہیں؟ ہوش کی دوا کرو۔ آزادی کا بڑی بھاری زنجیر ہے۔ آرسی مصحف میں تم نے مجھ سے کہا تھا۔ بیوی آنکھیں کھولو میں تمھارا غلام ہوں۔ آج کہتے ہو کہ گورنمنٹ کی عنایت سے آزاد ہوں۔ سارے تم اور تمھاری گورنمنٹ دونوں اپنی اپنی ہوس کے غلام ہیں۔ اس دنیا میں کوئی آزاد نہیں سب کے ماتھے پر غلامی کا داغ ہے۔ نام رکھنے کو جسکا جی چاہے رکھ لے۔ سرو کو شاعر آزاد کہتے ہیں جسکی ایک ٹانگ ہے وہ بھی زمین میں گڑی ہوئی چال نہیں جو ایک قدم بھی بڑھ سکے وہ کب آزاد ہے۔ سوسن کو بھی آزادی کا الزام ہے دیکھو بیچارے بیان نہ ہونے سے میں گئی ہے دس زبانوں پر بھی منھ میں گھنگھنیاں بھری ہیں پاؤں نالے میں لگا ہوا ہے جڑوں کی زنجیر میں پھنسا ہوا ہے۔ نواب تمھیں آج کیا ہو گیا ہے ایک شعر لفظ کا مطلب پوچھتی ہوں تو بتا نہیں سکتے۔

سنی بھولی ہوئی ہے۔ نیلین بھاگتے ہو لمبی ٹوپی والے فقیر اپنے تئیں آزاد کہتے ہیں مگر وہ ٹکڑ گدے بھوک کے مارے در در کی بھیک مانگتے ہیں اور آزادی کا دم بھرتے ہیں یعنی ہماری کہاتے نہیں دوسرے کی چیدا ٹھونک کے پیٹ بھرتے ہیں۔ سچ کہو یہ لوگ آزاد ہیں؟ میعاد ختم ہونے کے بعد قیدی رہا کیے جاتے ہیں انھیں قید سے آزادی ملتی ہے مگر تو یہ آزادی تمھیں نہوادن پولیس بالعلم کے ساتھ ہیں۔ شاعروں نے سبزے کو آزاد باندھا ہے جسے گدھے چرتے ہیں اور بزور زبردستی دوسروں کی خوراک بنتا ہے۔ سبزہ۔ روئیدہ ہر جہاں جگہ پاتا ہے اُگ آتا ہے یہ آزادی بھی کوئی آزادی ہے۔ سرو میں پھل نہیں لگتے بت جھڑ کا اثر نہیں ہوتا کیا ان دو قید دن سے نجات ہو گئی یہی آزادی مل گئی؟ موٹی بازاروں کی اصطلاح ہو نہ آزاد کہلاتی ہے لیکن شرعی طریقے کی پابند ٹکی پیسہ اتنی بس۔ کیا یہی آزادی کی لت ہے جسکی لوگ تعریفیں کرتے پھرتے ہیں۔

ہاں میں نے کتابوں میں پڑھا ہے کہ گجرات کے ضلع میں ایک مقام آزاد نام ہے وہاں کی آبادی بہت گوری چٹی ہے۔ یعنی سپاہیوں کی کٹھا اب سے آزاد ہے اسوجہ سے مجھے خیال ہوتا ہے کہ آزادی بھی ایک نام ہے گورے رنگ کا؟

وہ۔ واللہ بیگم حق ہے۔ تم خوب مطلب سمجھیں بے شک گورے رنگ والے آزادی کے حقدار ہیں۔

میں۔ تو پھر لاٹ صاحب نے ہندوستانی ریاستوں سے جو یہ کہا ہے کہ عام رعایا کو بھی آزادی کا حق ملنا چاہیے تو آخر کس وجہ سے دیا ستوں میں کالے بھرے پڑے ہیں۔ اور گورا رنگ اپنے سوا دنیا میں کسی کو آزاد دیکھنا پسند نہیں کرتا حد درجہ یہ کہ مچھ شہر دلبر کے رہنے والے بہت آزاد خیال بنتے ہیں پھر بھی زندی اخباری کا ظرف ان میں جو گٹ کالے لوگوں کی آنکھ آٹھوں میں کھٹکتی ہے پچھم۔ رہ گئے رو گئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کچہری اور ہال میں جھانکتے

وہ۔ اب یہ تم انھیں سے پوچھو تم سے ان سے تو خط کتابت ہے؟

لاٹ صاحب! میری اور نواب کی گفتگو تم نے سنی اب تم ہی بتاؤ کہ آزادی سے تمھارا منشا کیا ہے۔ قیدیوں کی سی آزادی۔ سرو کی سی آزادی سبزے کی سی آزادی۔ سوسن کی سی آزادی۔ فقیروں (آزادوں) کی سی آزادی یا دیسی چند آزادوں کی سی آزادی۔ یا شہر آزاد کے رہنے والوں کی سی آزادی؟

ایک شاعر کہتا ہے ؎

فاش می گویم و از گفتۂ خود دل شادم
بندۂ عشقم و از ہر دو جہاں آزادم

جھک مارتا ہے موا۔ عشق میں آزادی کہاں؟ آزاد تو عاشقوں کو اپنا پابند کرتا ہے جیسے انگریزوں کی قوم۔ عشق کا غلام اور آزاد؟ یہی ہے تو عاشق کیوں روتے پھرتے ہیں ؎

میں نے جو کہا تجھ بن کیا کیا نہ ستم گزرا
بولا کہ رہا بے تیرا روتے ہی جنم گزرا

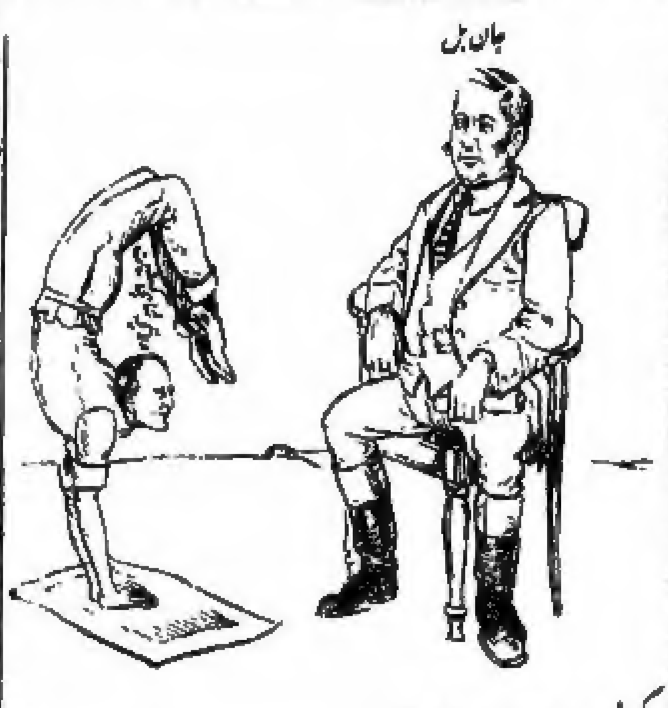
ہاں جسنے یہ شعر کہا ہے وہ سچا ہے ؎

حسد تہمت آزادی مردم بکند
کین مراد لیست کہ بر بخت ان ہم ستم

آزادی اور اسکا نتیجہ جو کچھ ہے وہ ابھی طرح دنیا کو معلوم ہے۔ ابھی زیادہ دن بھولی نہیں حالانکہ

ملا کر ایک آن کی شے نے بار اکی معاف کرو
اور بھول جاؤ جب کی آزادی کا نام لینے والے
بچے کی قید سے ہمیشہ کے لیے آزاد ہو گئے اور
جو بچے بچے اُن میں سے کئی جیل خانے کی چکی
میں آج بھی حق اللہ پاک ذات اللہ نبی جی
پیمبر مدد آزادی کی دلیل میں کہہ ہے جن
پرستش کی علمداری میں آزادوں کی یہ گت ہے
تو میری جان اپنے خدا کی ان کے روا سی رہا یا
غریب کی خاطر آزادی کے
ولی میں نہ بلواؤ۔ آزادی
گردی ہے ایسی بری چیز کہ
نام سنتے ہی انسان بے قابو
ہو جاتا ہے۔ ہندوستانیوں
کو آزادی کی چاٹ ہی کیسے
دکھایا۔ جب کوئی گوری
چٹی آزادی کسی کالے کو لے
بیٹھیں گلے غلام کے گھر میں
گھستی ہے تو کون بچ سکتا
ہے۔ میرا غلام لڑکا جسے تمہارا
غلام زادہ تعلیم کے لیے ولایت
بھیجا گیا وہاں ایک گیسو بریدہ
آزادی پکڑ لایا ہے جو کیا کہوں
جب سے آزاد ہونے پیارے پیچھے
لگا ہے بس اٹھتے بیٹھتے آزادی
جون۔ مگر کیا کروں اپنے دام
کھوٹے تو کھنے والے کو کیا
دوں گا۔ کبھی گوڑے تو غلام بچہ او ساذل کا غلام بچہ
تم بیٹھو ایک ادھال بچہ آزادی وہاں سے
آخر کی طرح سمیٹ لایا اتنا بھی غور نہ کیا کہ
یہ مجھے راس آئے گی۔ خیر لیڈی آزادی
تحسین کیا کروں۔ جیسا تم نے مجھے اپنے بچے
سے بچھڑایا ہے ویسا خدا اسے پاؤ۔ اے لاٹ صاحب
تم یہ قصہ سنو تو ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ جائیں
صاحبزادے نے ولایت سے تار دیا کہ میری جلد خبر
بھیجے آنکھ باوا کی آنکھیں کھل گئیں۔ جلد انتظام

کرو مکان صاف کرو۔ کوڑا کرکٹ نہ رہ جانے پائے
سفیدی پھرواؤ۔ پتیلیوں پر قلعی کرواؤ۔ دیکھو
کھانے کے لیے وہ کوٹھری خود سونے کے لئے وہ
ہال ملاقات کے لیے۔ دیکھو ایک سنگار میز اور وہ
آرام آئینے واؤ۔ یہاں ایک غسل خانہ بھی چاہئے
بھولیں۔ حمام۔ نہانے کی جگہ تیار ہو۔ کھانے کی میز
بچھی ہے۔ ذرا اور بڑی ہونی چاہیے۔ آئینہ
کی دوری ٹھیک کرو۔ دیکھو سبھی صاف ستھرے



کمیشن: ہے روپیا۔ ہے پیسا!
جان بل: اس قلابازی کا مطلب؟
کمیشن: پاؤں سے چلنا عام بات ہے۔ اب ہندوستان ہاتھوں کے بل چلے تو زیادہ مناسب ہے اس چال میں پاؤں کی جوتی سر پر پہنچ جاتی ہے۔

رہا کرو۔ یہ دو چار چار جوڑے ڈالو۔ ہمارے بڑے
میں کوئی خاندان اچھا ہو تو ضد سے لاؤ۔ غرض
باندی ری جی بڑی دھوم آرہا بیگن وہ بھی ہوں۔
دعائیں مانگ کے اتنے دن تیر کیے۔ خدا خدا کر کے
صاحبزادے آئے باوا گئے اسٹیشن پر لینے صاحبزادے
ریل گاڑی سے اترے نہ صاحب نہ سلامت سونٹا
ساتھ بڑھا دیا ہاتھ ملاؤ فرمایا اور بڑھ کر تم
اچھا؟ دیر بابا کی مزاج پرسی ہے؟ وہ ہوا الڈرمین
اچھا؟ دیر جو بابا جان کا خطاب ہے اب ابھی جی

باوا نے صورت بھی نہ دیکھی تھی کہ آتا ہو منہ او
ڈیڈ کم ہیر کی آواز لگائی۔ باپ سے ملنے میں
وقت بیکار ضائع کرنے پر نیلی پیلی کر کے آنکھیں
نکالیں۔ باپ جھینپتے میں مدد دینے پر صاحبزادے
کی خبر لی اب اباحضرت چپ کا کا تو نہیں
جان میں۔ یہ کون ہے کیوں میرے لوگ کے
ساتھ آئی۔ مگر سمجھے کہ ہو نہ ہو یہ صاحبزادے
کی آزادی ہے۔ خیر بھی آئی ہے تو آنے دو صاحبزادے
اور گھر کو گھر کے تعلیوں کے سر بلند کیے
سیدے گاڑی پر چڑھ سے اور
اسٹیشن کے پاس کوئی ہوٹل تھا
وہیں اتر پڑے باوا منہ تکتے
رہ گئے۔ جھینپتے جھینپتے گھر آئے
میں نے پوچھا بیٹا کہاں ہے
جھنجھلا کے بول اٹھے یہ گیا
کمبخت اپنی آزادی کی دم
میں۔ بہت پوچھا تو بچارے
نے ساری رام کہانی کہہ سنائی
کہ سلام بندگی تک بھول گیا۔
سنتا ہوں کہ جس ہوٹل میں ٹھہرا
تھا وہاں کی باورچن پر لٹو
ہو گیا اسی کو ساتھ لے کے
یہاں آیا ہے۔ صورت دیکھ
کر تحسین بھول آئے ہاں رنگت
البتہ گوری ہے۔ بس اتنا سنتے
ہی میرے پاؤں تلے سے زمین
نکل گئی۔ ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ ارے یہ
یہ لونڈے کو کیا سوجھی تھی؟ یہ کون سا روگ پالا
مگر کیا کرتی مجبور تھی۔ زمانہ ہے آزادی کا۔
بس دل کے خاموش ہو رہی۔ دوسرے دن صاحبزادے
اپنی ٹرٹل کے ساتھ اپنی گاڑی سے
ادھر کے گھر میں تشریف لائے۔ میں بڑھی بلائیں
لینے۔ اتفاق کی بات ہاتھوں میں عطر بھرا تھا۔
عطر کی بو ناک میں کیا پہنچی کہ ان دشمنوں کی ناک
میں کسی نے مرچوں کی دھونی دی۔ فوراً تھتھنے

بند کر کے بیٹھے اور گھر اب گھر معلوم ہوتا ہے صاحبزادے بھی آزاد ہو گئے تھے بولے کہ میاں بی بی میں گٹ پٹ (انگریزی میں بات چیت) ہوئی اسکے بعد آزاد ہو گئے قدم پھیلا کے بیٹھ گئے ہیں۔ کیا کرتی دل پر جبر کر کے میں نے بھی ہاتھ پھیلا دیے۔ واہ صاحب سچ کہتی ہوں مجھے پر بنت پہ معلوم ہوا کہ پھیا ہو گئیں آزاد ہوا اور مجھ میں ذرا سا فرق نہ تھا صاحبن (صاحبن) اور جیسے ہوتے تباکی ساتھ اور گھر خراب کی بیٹی کے وہ قتال طرح دماغ میں تیر کی طرح گھسی کہ کھوا بکال آگئی ہے ایسی طرح آزادی تھی کہ تو یہ اس سے آج ہماری غلامی کی ہو ہزار درجے اچھی ہے۔ جتنے سماجی۔ اگر کی جوتے اور عطر کی خوشبو سے غلام کی کھنیں سچ کہ ایک پھول بن جاتی ہیں۔ یہ نئی لیلی روشنی کی برکتیں ہیں اے اللہ گناہ ہوتے تو معاف کر۔ پھر لباس اور پوشاک جو دیکھی تو آنکھیں کھل گئیں گرد اُڑی کشتوں سے اونچی گھنیاں بنے۔ ڈھیلی ڈھالی آدھے ڈیل کی باڑی اور کرتے شہنے ہوا سے بچھر بچھر اُڑتے بال جو دیکھے تو ہوش اُڑ گئے جہاں جہاں عورت کو دیکھ اور میں ڈنگ ہو رہا۔ قصہ مختصر شام سے کھوے کھوے گھر میں ہم نے پھر دیکھا نماز کی آبرو بچانے والا ہے۔ میں نے نواب صاحب سے کہا کہ بھلا اس شہر کے گھروں میں یہ آزادی کیونکر بیٹے کی صاحبزادے سے پوچھ کر ساتھ میں رہنگے یا علاوہ تو ریا بندوبست کیا جائے۔ وہ کچھ ایسے حیتے میں تھے کہ گال پھلائے خاموش کرے میں بیٹھے رہے میری بات کا جواب نہ دیا۔ میری سمجھ میں کسی طرح نہ آیا کہ آزادی کی کیا تعظیم کروں۔ ہاں وہ کھاتی نہیں۔ سوا سوختہ رنگ کا میرے گھر میں نہیں۔ وہ بھی بہانہ تک ہوتے کے اونچی ریوا سکان کو دیکھتیں کبھی باورچی خانے کا جائزہ لیتیں۔ کبھی نگاہیں آسمان کی سیر کرتیں کبھی زمین کی۔ خیر میں نے صندوقچہ کھلوا یا بچھ گئے کشتی میں رکھے اور لڑکی سے کہا کہ جوتے کو نبھا دو۔ لڑکیاں خود حیرت میں تھیں بھولی لڑکی نے کہا وہ لی ٹال بجا لائیں میں نے کہا یہ کیا کرسی پر بیٹھی ہیں وہ کہنے لگی کہ واہ بجیا تمہارے علاج کے لیے ڈاکٹرنی والے میں بیٹا کا بیاہ کب ہوا۔ ہمارا ٹھیک کمان ہے۔ خیر کپتان تو آفرین نے ابیرت پہنا اور اسیرت اُتار کے رکھ لیا۔ مگر بی آزادی ایک گھنٹے سے زیادہ گھر میں نہ کھیں روٹے کھٹا کی جھاڑو بچے گھنٹا بھر کے بعد یہ چل دو چل۔ لڑکیوں نے بہو کی منا بچے سے تھوڑی بہت انگریزی پڑھی ہے وہ کہتی تھیں کہ آزاد ہو کر بھی تو بہت پسند آئی میاں سے کہتی تھیں کہ اسکو ساتھ لیتے چلو یہ میری بہت اچھی سہیلی بن سکتی ہے میاں نے منظور نہیں کیا اور جواب دیا کہ یہاں کا دستور ہے کہ ہر چند کہ میں اسے ایک نفل

سمجھتا ہوں لیکن ہندوستان میں رہتا ہوں رسموں کی پابندی ضرور کرنی چاہئے گی ۔ ہمپر یہ گفتگو ہماۓ کے علم میں قبیت ہوتی رہی۔ بی بی نے بچی کھڑی کے میاں کو اول قول قوام قول سنائی۔ آگے کا قصہ بہت دلچسپ ہے۔ اللہ نے چاہا تو پھر سنا دوں گی۔

واقف

سلطان آرا بیگم

نگارستان

لبشہ

"ایک شب کی قیمت"

حضرت! یہ ایک مضمون کا عنوان ہے۔ ہم مضمون دیکھ جائیے۔ "قیمت" کے روپیہ کی کھنک جھنکار کا پتا نہیں البتہ غیرت اور انسانیت کی کا اظہار ہے یعنی بات بھر لبقول خود میں معلوم ہوگا

کرتے رہے اور صبح کو جیسے کے تیسے اٹھ کر آئے
چلے گئے۔ افسوس کہ اس قسم کے حالات سے تحفہ
والے کو ہمدردی نہیں ہوئی۔ دام بیکار گئے۔
قیمت ضائع ہوئی۔ اس مضمون کا خلاصہ انسانی
زبان میں یوں ہو سکتا ہے کہ اجرت یا قیمت ہر ایک
ہر کسی بلا کی خدا جانے وہ کمبخت انہیں تھی!
طرازی کر کے سو رہیں۔ مرد میاں عشق کا لمبا
مضمون سنتے رہے مگر "رات" کو اپنی الفاظ میں بیان
دینے لگا:۔

"عریاں ہے وہ رات ... برہنہ ہوا اس کا
ہر لمحہ ...... مسکراہٹ عریاں اور برہنہ کر دیا
یہی تھی اس اختتام کی جو خیالات صباحی کو
مضطرب کیے ہوئے ہے"

حالانکہ بیچاری "رات" گنہگار نہیں ساری
طرازی تو بہت ہی کی ہے۔

ایک انہیں بڑے میاں اپنی بی بی کو وعدے
پر ٹالتے رہے "انشاء اللہ عید کے دن دکھلاؤں گا"
عید سے ایک ہفتہ پیشتر اہتمام شروع ہوا کنگھی
چوٹی سرمہ مسی مہندی عطر پھول الائچی پان
تمام سامان جمع کیے گئے دن گھٹنے لگے ہفتہ گزرا
آخر عید کا دن بھی آ ہی گیا۔ مگر افسوس بقول
نگارستان "رات عریاں" ٹھہری۔ بہت کا خوف
بھی کر گیا۔ تجلیات صباحی کے اضطراب نے
دور ہو جانے تو بیچارے نے یہ کہہ کے خفت
مٹائی:۔

"بی بی کیا پھر عید نہ آئے گی، انشاء اللہ
کچھ کر لوں گا"

دوسرے انہیں صاحب نے زری کسیبد بولا کہ
تھے انھوں نے "حسین مطالعۂ حسن" میں وقت
ضائع نہیں کیا۔ بقول نگارستان "آجکل
انھا کر اس سب سے زیادہ تباہ کن حصۂ جسم
پر ہاتھ ڈالنا چاہا۔ بقول نگارستان "سارا
ہیجان سرخ و نرم سرانگشت ناخن کی انگلیاں چھوڑ
کیا۔ آجکل کے ساتھ معشوقہ کے اس حصۂ
جسم سے مس ہونا چاہتی تھی۔ بقول

نگارستان "عبارت محبت کے رد عمل کو برداشت
نہ کر کے بیہوش ہو کر گرے بلکہ صبح بھی اٹھ کر
نے کروٹ تجسس پیچ کا ڈسڈن کا قتل کیا اور
کھولی تھی تو اس کو عشق کر سے حیا اور اب وہ عامیانہ
محاورہ استعمال نہ کرنا چاہتی اس موقع پر عین جیسا
ایک طالب کی قیمت وصول کرنے والیاں استعمال
کرتی ہیں۔

"واہ میاں واہ ساری رتیا گنوا گئی"
ورنہ تمہارا دھرتی بال سے باریک خطرے کا
اور ابطال دھرتی میں خشتی کی سیاہ اور
پیچیدہ دلیل پیش کی جائے گی۔

بہر کیف مضمون کا خلاصہ ختم ہوا اب سنیے
کہ اس ایک شب کی قیمت نے چشم ناظر کے
سامنے کتنے اخلاقی نصائح پیش کیے۔ کتنے
ادبی رموز تعلیم کیے کس قدر جدت طرازی کا
بھولا ہوا آموختہ یاد کرا دیا۔ اور کس درجہ حقیقی
علم و فضل کا ثبوت دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مضمون نگار نے
اس قسم کی مضمون نگاری سے اخلاق فاضلہ کا
ایک مدرسہ کھول دیا ہے اور دنیا میں ایسے
ہوشیار رہے اندھوں کی کمی نہیں جن کی آنکھیں
ان مضامین سے روشن ہو گئیں۔

انصاف سے کہیے غریب نواب مرزا شوق پر
مثنوی "لذت عشق" کی تصنیف کے بارے میں
کیوں اعتراض کیا جاتا ہے امانت مرحوم نے
واسوخت میں کیا مجلس اٹھا دیا۔ جان صاحب
وحشت کی رات کی نظم سے کیوں قابل ملامت
ٹھہرے؟ ان تصنیفوں میں حیرانی تو لوگوں کو
برانگیختہ کرنے کا عیب تو ضرور ہے۔ نوجوان عورتیں
جہاں پاریا نہیں خود دیکھیں تو بہتر ہے انہیں
ادبی خوبیوں سے مالا مال میں زیادہ تر فائدہ ہی
کی جاتی ہیں۔ یہی کیا کم ہے۔ لیکن نگارستان
کے اکثر مضامین کو ایک شریف باحیا شخص کے
دیکھنے کے قابل بھی نہیں اور سراسر سوادِ ادب
کی جان کا وبال بھی ہیں۔ کوئی شخص اس

زبان میں بات چیت نہیں کر جاتا (۱) پیار سارا جذبہ
ایک طیارہ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ (۲) اف وہ
وہ سینہ و گردن کی عریانی۔ (۳) اب میرے کانوں پہنچ
رہے ہوشیار تیرے کبھو پاس سارے جذبات کو
منتقل کرنا چاہتے تھے کہ اس کے تصور سے آفتاب
کی شعاع اولین کے ذریعے سے تمام جو سارے
پھیل جاتا چاہتا تھا ایک بجلی سی روشنی کے ساتھ
میرے خرمن حیات پر قبضہ کر لیا۔ پھر اب میری
حیات کیسی۔ (۴) آرمید وکالت کی آخرش۔
(۵) وہ بے پردگی سے مس ہو کر بے حجابی کے
معطر تنہ پرت لپٹا کر عریاں ہو جاتی ہے۔ (۶)
نشہ کی پیاس (۷) متلذذ دانتوں (۸) ایک نزہت
تھی یا حسین (۹) ایک لطافت تھی صباحی۔

اس قسم کی عبارت لکھنے پر ہر شخص قادر ہے
جس کا جی چاہے چند غیر مانوس الفاظ کا گورکھ دھندا
چند فارسی عربی الفاظ سے بدلن کا تاثر یہ دے
کرے اور صفحے کے صفحے لکھتا چلا جائے۔ اودھ پنچ
میں ایسی نظم و نثر پر حضرت ادبیا لاادب ماشر
والکرام نے سیکڑوں مضمون لکھے۔ جنکا دہرانا لاحاصل
ہوگا۔ کہانی ہوئی بات بے مزہ ہو جاتی ہے۔ نگارستان
کے مصنف صاحب سے ہمیں زیادہ ملال نہیں نہ
انکے حالات کا علم ہے کہ زبانی و ضلع روزمرہ سے
کام نکل جائے انکی کتابیں ضائع ہوتی رہتی ہیں
ہم انکی تصانیف سے روشناس ہیں اور اس سے
واقف ہیں کہ بعض ملکی مذاقوں نے آسان راہ
جو پائی تو انکی پیروی کرنے لگے اس وبائی تاثر
سے ملکی زبان اسیطرح محفوظ رہ سکتی ہے کہ ایکے
ناظم آشکار کر دیے جائیں ہمیں معلوم ہوا ہے کہ
انھیں مذاقوں نے اس زبان اور طرز کا نام
"عریاں نگاری" رکھا ہے اور اپنی صحبت میں
نہایت فخر سے اپنی عریاں نگاری پر خوشخوانی
فرماتے ہیں اپنی رسالوں کی بدولت یا بے منصب
بد مذاق دوستوں کی عنایت سے انکی کتابیں
نصاب تعلیم مقرر کرنے والی کمیٹیوں میں بھی پہنچنے
لگی ہیں۔ خدا نخواستہ اگر عریاں نگاری کی



ہی اسلام! وای انقلاب! ایں چہ می بینم۔ شاہ خانم بہ اروپا رفت، گیسو بریدند نقاب گسست فرنگی شد۔

جس حد تک ان کہانیوں کی زبان سے بحیثیت تعلیم اسکول میں پڑھنے والے لڑکے اور لڑکیاں ان کی زبان پسند کی کسی حکیم یا عالم کے ہاتھ سے نکلی سالم نفس ہے کہ یہ مضامین بنگالہ اور بمبئی ملاحظہ کیے جائیں [illegible] کی مشہور [illegible] نظم [illegible] اور ان مضامین میں کوئی زبان [illegible] اختیار نہیں ہے۔ ایک مرد فاحش کی فاحشی اتنی مضر نہیں جتنی کہ فحش کی قصیدہ خوانی۔ مثلاً مضامین کے دیکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ عریاں نگاری ہر قسم کی بد اخلاقی پھیلانے میں سادہ لوح اشخاص کو اسی طرح آمادہ کرتی ہے جیسے کوئی کشش۔ [illegible] ذکر سے جو بچوں کے طبعی قویٰ مشتعل ہوں۔ لوگ اپنے [illegible] کی کہانیاں ان کے کانوں تک [illegible] کے ساتھ [illegible] اور وہ پڑھنا لکھنا چھوڑ کے [illegible] کی تلاش [illegible] کی قیمت حاصل کرنے میں محو ہو جائیں۔

وہی مثل ہے کہ قاضی جی اپنی [illegible] کا منہ چومتے تھے اور [illegible] پر احسان کرتے تھے۔ حالانکہ سوتے بچے کا منہ چومنا نہ خوش نہ [illegible] ہے۔

ظرافت کے ساتھ دینی و اخلاقی اصلاح کا حق جو کچھ ہم سے ہو سکا ادا کیا۔ اب ماننا نہ ماننا دوسروں کا فرض ہے۔ عربی اور فارسی کے غیر مانوس الفاظ محل و بے محل استعمال کرنے سے ان پڑھ یا کم سواد لوگ جلدی مرعوب ہو جاتے ہیں۔ انھیں اتنا وقت نہیں ہے کہ سالہا سال تک لات و عزّیٰ کہتے ہیں [illegible] پھر بھی [illegible] یہ نہ سمجھے کہ بندے کا کلمہ پڑھ گیا۔

راقم

[illegible]

پنجاب میں اُردو

عالیجناب حافظ محمود خان صاحب شیرانی پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور کی تازہ تصنیف اعتبار سیرت و صورت بہت خوب ہے۔ مصنف نے محنت کے ساتھ اردو کی ایک ضروری خدمت انجام دی ہے۔ اس وقت پنجاب میں اردو کی عام ترقی پر ہے وہ دن دور نہیں کہ وہ مثل دہلی اور لکھنؤ کے اردو کا ایک واحد یا مرکز بن جائے۔ ہم نے اس کتاب کا مطالعہ بغور شروع کیا صریح مرصوف کے اکثر مختارات سے ہمیں اتفاق ہے کوئی شبہ نہیں کہ اردو کا حدوث مسلمانوں کے عہد میں ہوا عربی و فارسی [illegible] ہندی زبانوں کے افعال سے مل کے ایک کھچڑی تیار ہوئی جس کا نام اردو رکھ دیا۔ مسلمان لوٹتے پھرتے یہاں آئے تھے جب وہ یہاں کی عورتوں سے شادی بیاہ کی ضرورت ۔ نیز بھی ضرورت سے ایک بازار آج بھی لشکر کے ساتھ ساتھ رہتا ہے پہلے بھی رہتا تھا۔ خرید و فروخت میں سوداگر و خریدار بات چیت پر مجبور ہیں۔ لہٰذا اپنی زبان میں جس طرح آج اردو کے ٹوٹے پھوٹے الفاظ کے برتتے ہیں اسی طرح ہندوستان کی جان پر نازل ہونے والے مسلمان اس وقت ہندی پر تصرف فرماتے تھے۔ چنانچہ مشہور ہے جامی شاعر نے ایک بازاری عورت سے یوں حکایت کی (زبان صاحب ایرانی تھے بھلا ترکی گفتگو کیوں کرتے) فرماتے ہیں ؎

گاہ نہ گفتی کہ جامی تو بیت

تم کیا کرو اپنا گزر تم جی ہے

دو بوس دو آرزوئے وصل تو

کتیا شدہ پیش ور تست تی ہے

معلوم نہیں یہ بازاری جامی صاحب کو کبھی ملی یا نہیں۔ خیر وہ بھی یاد نہیں کہ آغا نے کمائی کرگیا۔ بیچارے کی زبان میں تانیث و تذکیر کا امتیاز نہیں۔ سلیلے آغا تشی ہے اور آغا زرتا ہے یہاں زبان کو ناک بھوں چڑھانے کی ضرورت نہیں۔

مسلمانوں کے ہندوستان میں آنے کی راہ بھی سندھ اور پنجاب ہے لہٰذا مصنف کا یہ دعویٰ کہ اردو کی بنیاد پنجاب میں پڑی قرین قیاس ضرور ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی قابل توجہ ہے کہ ہندوستان بھر کی بولی کسی زمانے میں بھی ایک نہ تھی۔ آج بھی وہی حالت ہے دکن پنجاب بنگال اور دوسرے صوبوں کی زبان ایک دوسرے سے بالکل متغائر ہے۔ لہٰذا اردو جو اردوئے لشکر نے لین دین اور معاملت کی ضرورت سے پیدا کی ہمیشہ مختلف رہی کبھی دکن کا پرچا ہوا کبھی پنجاب کا۔ جہاں گنگا و جمنا بہتی ہے کی نشانی چھوڑ آئے۔ مگر اس وقت کی اردو زیادہ تر دلی اور لکھنؤ کی مسلسل کی ہوئی ہے۔ محاورات دہلی اور لکھنؤ کے دو یاسین خواں اور بیگموں کی محنت کو داد ہیں۔ یہ اردو پنجاب کی نہیں ہے پنجاب میں صرف پچاس ساٹھ برس سے اس اردو نے رواج پایا ہے۔

بہرحال ہم مصنف ممدوح الشان کی خدمت میں ان کی محنت کے سوا رت ہونے پر باوجود بعض خیالات سے متفق نہ ہونے کے بھی مبارکباد عرض کرتے ہیں۔

اگر کہیں مرتب کا قوم و اخلاقی اصلاح کی تفصیل کیا گیا۔ کتاب میں بہت سے پرانے اردو شاعروں کے نام اور حالات ہیں جن کا نام مشہور نہیں۔ بیسیوں نظم و نثر غیر مشہور نایاب کتابوں کی عبارتیں ہیں اور الفاظ کے قطعی و معنوی تغیرات میں تحقیق سے کام لیا گیا اہل علم کے مطالعہ کے قابل ہے چھپائی کھائی کاغذ بھی خوب ہے۔ بیس اکیس جزو حجم ہے ڈھائی روپیہ قیمت ہے۔ انجمن ترقی اردو اسلامیہ کالج لاہور سے مل سکتی ہے چونکہ ٹوٹے الفاظوں اور متعصب بے انصافوں سے نہیں بلکہ اہل علم سے التماس ہے کہ کتاب مذکور کے دیکھیں اور جس مقام پر مصنف کی تحقیق کمزور ہو مصنف کو اس کی اصلاح کا مشورہ دیں تاکہ دوبارہ یہ کتاب بہتر اور صاف مکمل ہو۔ اور پھر ہم کہیں کہ بھائی شیرانی صاحب بیشک اردو زبان آپ کی اور آپ کے پنجاب کی۔

مولانا پنچ کی نوٹ بک

وان کنگر ہستے ہیں جو لینے کا پر
یاں جیب خزانہ میں ہے جو نیا پائی

سُنتے ہیں ۱۹۳۰ء کے فوجی احکام کے بموجب سکریٹری آف اسٹیٹ نے فوجی پنشن میں پچیس فیصدی کا اضافہ منظور فرمایا ہے۔ تھوڑا نہ بہت پچیس فیصدی۔ یہ رقم ہندوستانی فوجی ملازمون کی بیواؤں اور یتیموں کو ملے گی۔ اس سے تو مطلب نہیں کہ عام رعایا اس سے مبارک کے بیوہ ہو گی یا یتیم۔ مگر سنا ہے فوجی تنخواہیں بھی بڑھا دے کے نذر۔

علم تہذیب

افواہ ہے کہ سردار بہادر جناب سنگھ صدر کونسل پنجاب سکنڈ کلاس میں سفر کر رہے تھے جیسے ہی انھوں نے گاڑی میں داخل ہونا چاہا انگریزوں نے گردن میں ہاتھ دیا۔ سردار صاحب پہلے تو چپ رہے آخر طبیعت کو ولی کی گلی یاد آ گئی اور آپ نے گستاخی کی حکمت کا جواب دینا چاہا۔ ایسے پیچ مار کر ایک انگریز نے خیر کی۔ دیکھیے سردار صاحب کب تک سولی جاتے ہیں۔

دو ایزدہ ہند لارڈ ارون کی مخالفت

مشہور ہے کہ نظام دکن باوجود علیم ثانی دعوے اتفاق پلاٹ دست بردار نہیں ہوئے اور سرمایہ بڑھ رہا کا ٹھیکا مار رہے ہیں؛ پتا رہا نہ پڑھانے کی زمین میں ہیں۔ یا یہ معاملہ وہ ہے حضرت ادوان میں یہ چند موجود نہیں ہے کہ ریاست کے کتنے ذرہ حقوق و صدد بھی رئیس قائم رکھے ترقی کے مکمل مہیا کرنے کے معنی نہیں ہیں۔ ترقی حضور انگریزی پوشاک پہنتے ہیں دامن کے اور برا انصاف کرنے میں ٹیکس عائد کرنے میں میم سے کورٹ شپ کرنے میں بے پردگی میں۔ گھوڑ دوڑ کی بازی میں ولایت کی سیر کرنے میں۔ بھائی نیولی صاحب نے ابھی اپنا کام ختم نہیں کیا۔ وہم ہو۔ ابھی سے برادر گیسل کن ہے آمادگی درست نہیں۔

کچھ مضائقہ نہیں

ایک دوست ہم سے طالب جواب ہیں کہ تاریخ ہندو پیگنڈے سے ہمیشہ "اودھ پنچ" دور رہا ہے جو ایک مہربان ۱۱ ء اودھ پنچ کو پروپیگنڈسٹ کے لقب سے یاد کرتا ہے اسکے کیا معنی دوست! تم نے اللہ میاں اور شیطان کا سوال جواب قرآن میں پڑھا ہو گا۔ علامہ منشا ہیں جو کارہو تھے زانے ہیں "انیا المو یشق" مرحوم سے کہ تو نے خدا کیا میں بھی تیرے بندوں کو صراط مستقیم تک پہنچنے دوں گا۔ پروپیگنڈے اور اصلاح میں تھوڑا ہی سا فرق ہے۔ اگر اللہ میاں اپنے اسے میں ایک گستاخ کی زبان سے "فرضہ" کا الزام سن کے ٹال گئے تو ہم بھی آخر اسی کے بندے ہیں۔ ہم نے صبر کیا آپ بھی صبر کیجیے۔ تھوڑے دنوں میں تحقیق گجا گی بڑا فرق ہیں جستا ہے اسکی ہنسی جب رہتی ہے۔

جنگ شمشیر و قلم

[illegible] ہے اور [illegible] کا مقابلہ ہی کیا مگر جب کبھی تلوار اور قلم کا آمنا سامنا ہوا تو قلم ہی غالب رہا اگر قلم کی گردن ہوتی شمشیر جان نے برہنہ ہو کے چوٹ کی اور تلوار کھنے کی ٹھہرائی تو وہ اور غصے سے جل ہو گئے اور گھنے سوتے ہوئے حرفوں میں بی شمشیر جان کے گناہوں کی فہرست لکھے۔ سر کٹنے کے بعد دوانی مجھ نہیں گیا ہے۔ سپاہی کے ہاتھ سے تلوار چھین جائے گر جائے تو میان سپاہی بے بس ہو جاتے ہیں لیکن اگر لڑنا چھٹیا قلم کسی کے روکے نہیں رکتا کا غذی میدان میں لنگڑی ٹانگ سے رستم ثانی اور علی ہوئے ایسے ایسے ہاتھ دکھلاتا ہے کہ بڑے بڑے جرار لشکر تھرا کے منہ پھیر لیتے ہیں۔ بھاگے پناہ نہیں ملتی۔ وہ تو صاحب بیوقوف تھے اگر یہ اپنا کام نہ لیتے اور خالی سپاہ بالشت کا قلم رکے حکومت کا دعوی کرتے تو آج انکے بت پہ بیٹھ حملہ ہوتا۔ ہمارے نزدیک بعید از قیاس تھا کہ میان پٹیالہ شمشیر کا خول دوخت [illegible] کے سردار [illegible] سنگھ [illegible]

ریاست دہلی پر چھ ماہ میں حملہ کیا گیا کہ اسکے نمبر میں ایک نظم کا مضمون شائع ہوا ہے۔ جسکا خلاصہ یہ ہے کہ پٹیالہ کی تلوار سے اسکے میں جوہری چھپے جریدہ "ریاست" کے قلم پر پڑا ایک "ریاست" کی گردن پہ وار کرنے والی ہے۔ ریاستی تخت کا منتظمی ہی ہے تو سردار ان سنگھ کا کچھ نہ بگڑے گا۔ ایک جان ہے جا ہے خدا لے جا ہے جہاں مگر خدا بچائے قلم کے جبرت یا تشبیہ کو بار بار میں سے یہ جا بھی مفتوں گردن سے کے چڑھتا تو پھر فرح جان کی دھول سے اترتے گا نہ حاضرات سے نہ گرد سے جاگیروں کے گنڈے سے تو یہ ہے۔

ایک بے شعور لڑکا اُستاد کے حق میں دعا سے بد کر رہا تھا یہ اسکی مولوی کا جنازہ نکلے۔ مولوی صاحب سُنا تو ہنسے اور کہنے لگے: بیٹا بابا کا جنازہ نکالو میں مر جاؤں گا تو تمہارے بابا دوسرا جلاد مولوی نوکر رکھ لیں گے۔ مسٹر سیوا کی ڈپٹی کمشنر جو صاحبوں کے دشمن تھے جو صاحبون کی تلاش میں اکثر بیس بیلے کے نکلتے تھے ایک دفعہ انھوں نے کسی چودھری کی ان کی زبان سے اپنے کانوں سُنا کہ یہ عہد ازدھی ... سیر کو وارے زکا مبرائی نہ جائے۔ مسٹر سیوا کی ضبط نہ کر سکے اسی زبان میں کہنے لگے: تمہا بچہ اچیٹ ہے تو سادی دھرتی سیوا کی ہے یعنی لڑکا ہو یا مرد زندہ رہے گا۔ چودھری کرے گا تو زمانہ بھر میزار سے گا۔ اس بیہودگی سے زیادہ مناسب ہے کہ پٹیالہ کی کوا اپنا چلن ٹھیک رکھے جو اہل قلم سے ٹھیری نہ کر کے بی آئی ہے تو سردار بیان سنگھ کے تمام عالم ایک نہیں ہزاروں موجود ہیں۔

ان ایک دیرا وہ ہے سنتے جب تلوار کند ہو جائے تو قلم سے قلم رہے بھی پٹیالہ کے سنگھ جواب تھے ہو تو کھول دو فرزانہ۔

ارادہ

ایک سلسلہ اخبار ہندو دطیہ ہے کہ عنوان سے عنقریب شلق آرا بیگم صاحب لکھنے والی ہیں۔ مگر ہمارے وطن میں ایسے مضامین کی قدر نہیں۔ اسوجہ سے دل جو [illegible] نہیں [illegible]

مشہور عالم دواخانہ معدن الادویہ تیار کردہ بہدف ادویہ

طلاے مقوی نشک

[illegible]

قیمت فی بکس

۲۰ خوراک (للعہ)

ماء العنبری دو آتشہ خاص الخاص

[illegible]

فی بوتل پانچ روپیہ (صہ)

تین بوتل کے خریدار کو ایک گلاس بلا قیمت

طلاے مسیحی

[illegible]

قیمت فی شیشی

آٹھ روپیہ (عہ)

حب یاقوت مقوی و ممسک

[illegible]

قیمت فی بکس ۴۰ خوراک مع محصولڈاک پانچ روپیہ (صہ)

ہر قسم کا طبی مشورہ دواخانہ معدن الادویہ کی مجلس اطبا سے مفت حاصل ہو سکتا ہے صرف جوابی ٹکٹ درکار۔

فرمائش کے وقت اخبار کا حوالہ ضرور دیجئے۔ منیجر دواخانہ معدن الادویہ گولہ گنج لکھنؤ

فہرست کلاں مفت طلب فرمائیے

نایاب اور بیش بہا تحفہ

[illegible]

تین شیشی کے خریدار کو محصول معاف

حکیم سید نجم الدین نواب بیت الشفاء گیا (بہار)

پری مہک تیل

[illegible]

مختار احمد بجری مرچنٹ موجد

[illegible]

سکھ کے تاجر کی پہلی عمر کی دوا

گورنمنٹ سے رجسٹرڈ

[illegible]

دواے کیسری [illegible] قیمت عہ

بال سفا [illegible]

اپنے شہر کے دوا فروشوں سے طلب کرو

سول ایجنٹ براے دہلی و پنجاب — بال بہار آفس چاندنی چوک دہلی

سول ایجنٹ اندرچند لکھنؤ

[illegible]

سچا ہمدم و دلی دوست

[illegible]

وید شاستری جام نگر کاٹھیاوار

ایجنٹ اندرچند [illegible] لکھنؤ

مجلدات اودھ پنچ ۱۹۳۶-۲۷ء

[illegible] قیمت فی جلد [illegible] مع محصول۔

المشتہر: منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

غذا — روحانی

معدن النغمات

یعنے

وہ بے نظیر کتاب جس نے سچ مچ ہوا مین گرہ لگائی

اور

ایک گراموفون کیطرح سرون کے محفوظ رکھنے بلکہ گلے کے جملہ حرکات کاغذ پر لکھ لینے کے قواعد سکھائے

یہ ایک مشہور و معروف کتاب ہے

اس کے حصہ اول کے تین ایڈیشن شائع ہو چکے اور جاننے والے جانتے ہین کہ تا حال موسیقی کے جزو علمی پر اس سے بہتر کتاب شائع نہین ہوئی اب اسی کتاب کے

حصہ دوم مین مصنف نے

اساتذہ فن کے علم سینہ

کو

علم سفینہ بنایا ہے

یعنے

تان سین کے عہد سے لے کے زمانہ حال تک صد ہا اساتذہ فن کی گائکی اور انکے گلے سے نقل کی ہوئی دھرپد اور ہوری کا نقشہ کتاب پر کھینچ دیا ہے

اُستاد محمد علی خان

میان تان سین کے آخری یادگار تھے صد ہا راگون کی دھرپد اور ہوریان اس کتاب مین انسے نقل کی گئی ہین لطف یہ کہ اگر آپ سُر گلے سے ادا کرنے پر قادر نہین تو کتاب کے رموز سمجھ لینے کے بعد جو کہ نہایت صفائی سے [illegible] کتاب مین لکھ دیے گئے اسیطرح ہر ایک راگ کو برت سکتے ہین جسطرح کہ اُستاد خود تعلیم [illegible] یا سارنگی سے کام نکال سکتے ہین انکے علاوہ دیگر [illegible] کا سرمایہ ناز بھی آپکو اس کتاب مین ملیگا۔ فی الحقیقت مصنف نے ہزارون روپیہ صرف کیا اور ایک عمر کی محنت کام لیکے اس کتاب کو مرتب کیا ہے۔ حصہ دوم نہایت مقبول ہوا۔ تمام ہندوستان کے استادون کا سرمایہ ناز یہی مجموعہ ہے۔ قیمت پانچ روپیہ۔ حصہ اول کی [illegible] فی جلد۔ محصول ڈاک ہر حال ذمہ خریدار۔

المشتہر منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

لطف حیوۃ کے استعمال کا بہترین زمانہ موسم سرما ہے۔ صفحہ ۱۰ و ۱۱ کے درمیان پشتی پر اشتہار ملاحظہ ہو۔